عثمان قاضی

ابنِ صفی اب انگریزی میں

ابھی کل ہی کتابوں کی دکان پر ایک پتلی سی انگریزی کتاب پر نظر پڑی جس کے عنوان House of Fear کے نیچے ابن صفی کا نام دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ اردو زبان کے مشہور جاسوسی ناول نگار عمران سیریز کے دو ابتدائی ناولوں ''خوفناک کمرہ'' اور ''چٹانوں میں فایر'' کا پہلا انگریزی ترجمہ ہے جو رینڈم ہاؤس نامی ادارے نے ہندوستان سے چھاپا ہے۔ مترجم کا نام بلال تنویر ہے۔

ابن صفی بجا طور پر مصنفوں کے اس زمرے سے تعلق رکھتے ہیں جسے انگریزی میں Phenomenal کہا جاتا ہے۔ ابن صفی کے کام اور ان کی آج تک قائم مقبولیت یا ان کے ادبی مقام کے بارے میں کچھ کہنے کا میں اہل نہیں ہوں مگر مجھے اپنے قیام بنگلہ دیش کے دوران ایک چٹکلہ سننے کو ملا جس سے ابن صفی کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بنگلہ دیش کے بانی شیخ مجیب الرحمان کی والدہ مبینہ طور پر ابن صفی کے ناولوں کی شیدائی تھیں اور ہر نیا ناول بالتزام منگوا کر پڑھتی تھیں۔ ۱۹۷۱ کے قریب ان کی آنکھیں کچھ جواب دے چکی تھیں۔ ایسے ماحول میں جب ڈھاکہ شہر میں اردو کا نام لیوا ہونا موت کو دعوت دینا تھا، ان کی فرمائش پر مکتی باہنی کے لوگ ڈھاکہ کالج کے ایک اردو کے استاد کو اپنی حفاظت میں روزانہ شیخ صاحب کے گھر لاتے تھے جو موصوفہ کو ابن صفی کا تازہ ناول پڑھ کر سناتے تھے۔ یہ صاحب آزادی کے بعد بھی کچھ عرصہ وہیں رہے اور بعد میں شاید کینیڈا چلے گئے۔

کسی بھی فن پارے کا ترجمہ انتہائی مشکل کام ہے۔ اس موضوع پر مشہور مصنف امبرتو ایکو کا ایک مضمون چند سال پہلے چھپا تھا جو اس وجہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ خود بھی اپنے کام کے تراجم میں شریک رہے ہیں۔ ان کے مضمون کا عنوان غالباً ''Futility of Translation''

تھا اور اس میں انہوں نے خصوصاً محاورات، شاعری اور تہذیبی سیاق وسباق کے ترجمے میں حائل مشکلات کا ذکر کیا تھا اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان چیزوں کا ترجمے میں بہ تمام وکمال منتقل ہونا ناممکن ہے۔ حالانکہ ان کا ترجمہ ایک یورپی زبان سے دوسری میں ہو رہا تھا جہاں تہذیبی تضادات شاید اتنے شدید نہیں جتنے اردو اور مثلاً انگریزی کے ہیں۔

بلال تنویر صاحب کو بھی ان مشکلات کا قدم قدم پر سامنا کرنا پڑا ہے۔ عمران کے طنز و مزاح میں سے اکثر کا تعلق اردو شعر و شاعری یا برصغیر کے تہذیبی پس منظر سے ہے۔ اکثر جگہ مترجم نے محاورات مثلاً ''باپ رے باپ'' کو رومن حروف میں لکھ کر کام چلایا ہے، کہیں فٹ نوٹ دے کر بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے مگر میری رائے میں برصغیر سے تعلق رکھنے والے انگریزی دانوں کے لیے اب بھی اس ترجمے سے پوری طرح لطف اندوز ہونا مشکل ہوگا۔ اسی ناول میں عمران اپنے حریف فیاض کو تنگ کرنے کے لیے ایک شعر یوں پڑھتا ہے ''بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق۔ نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز''۔ اس کی بے ہودگی کا اندازہ کرنا صرف انگریزی دان طبقے کے لیے ناممکن ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ ابن صفی کے ابتدائی ناول ہیں۔ آگے جا کر جہاں زبان اور بیان مزیدار محاوراتی ہو جائے گا وہاں ترجمہ مزید کٹھن ہوتا جائے گا۔ مثلاً عمران اپنے سیاہ فام ملازم جوزف کو جابجا ''شب دیجور کے بچّے'' کہہ کر بلاتا ہے۔ اب اگر قاری اردو غزل میں ہجر کی لمبی کالی رات کی اہمیت اور اس کے حوالے سے انشاء اور جرات کے مکالمے سے بے بہرہ ہے تو وہ اس کا کیا خاک لطف اٹھائے گا۔ ایک ناول میں عمران ایک درزی کی دکان پر پتلون میں رومالی نہ ڈالنے پر جھگڑا کرتا ہے۔ آج کل کتنے لوگ رومالی نام کی چیز سے آشنا ہیں؟ جب کہ اس کا استعمال شلوار میں بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔

غالباً ادبی ترجمے کے کام کو ذرا مزید سنجیدگی سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس بات پر بحث چھڑنی چاہیے کہ محاورات، اشعار اور تہذیبی پس منظر کو ترجمے میں کس طور برتا جائے۔